قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

بیالیسواں وعظ

مسمّٰی بہ

زکوۃ النفس

منجملہ ارشادات حکیم الامۃ حضرت مرشدی و مولائی مولانا شاہ محمد اشرفعلی صاحب تھانوی دام ظلہم العالی

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون کے اہتمام سے چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ الملقب بہ

تزکیۃ النفس

این	کہاں ہوا	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
متی	کب ہوا	۱۵ رجب ۱۳۴۲ھ بروز یکشنبہ
کم	کتنی دیر ہوا	ایک گھنٹہ ۴۵ منٹ
کیف	کسطرح ہوا	بیٹھکر
لم	کیوں ہوا	اہل خانقاہ کی درخواست پر
ماذا	کیا مضمون تھا	تزکیۂ باطن میں دو غلطیاں ہوتی ہیں اُنکی اصلاح ایک غلطی یہ کہ بعض لوگ تزکی کو مطلوب تو سمجھتے ہیں مگر اسمیں تعجیل کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ بعض لوگ تزکی کو مطلوب ہی نہیں سمجھتے۔
من ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	سالکین و ذاکرین کو خصوصاً
من ضبط	کسنے ضبط کیا	شاہ لطف رسول صاحب نے مسودۂ اجمالی ضبط کیا اور احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ نے تفصیل کی
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	۳۰
الاشتات	متفرقات	تسوید تفصیلی ۲۸ رجمادی الاولی ۱۳۴۳ھ بروز جمعہ کو شروع ہوکر ۲۰ رجمادی الاخری بروز یکشنبہ کو تمام ہوئی

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہٗ

و رسولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ یہ ایک مختصر سی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کو مدار فلاح ٹھہرایا ہے جس سے تزکیہ کی ضرورت ظاہر ہے۔ کیونکہ فلاح کی ضرورت سکو ہے اور اُس کا مدار تزکیہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن اس وقت مجھے ضرورت تزکیہ کے بیان کی تو ضرورت نہیں کیونکہ مخاطبین بفضلہ تعالیٰ سب ایسے ہیں جنکو اس کی ضرورت میں تردد نہیں۔ بلکہ سب تزکیہ کو ضروری ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ تزکیہ کا ضروری سمجھنا ہی اس بیان کی درخواست کا سبب ہے۔ کیونکہ احباب نے محض طلب اصلاح ہی کے لئے اس وقت بیان کی درخواست کی ہے کہ ہماری اصلاح کے لئے کوئی ضروری بات بیان کردی جائے اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح کی ضرورت اُنکو معلوم ہے اور یہی تزکیہ کا حاصل ہے۔ اس لئے ضرورت تزکیہ پر میں زیادہ اہتمام کے ساتھ گفتگو نہ کروں گا۔ اس وقت مجھے صرف بعض غلطیوں کا رفع کرنا مقصود ہے۔ جو اکثر سالکین کو تزکیہ کے متعلق ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ وہ غلطیاں اُن کو معلوم ہیں۔ مگر استحضار نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ استحضار بھی ہے لیکن جیسا استحضار ہونا چاہئے وہ نہیں ہے۔ اور جب غلطیوں کا پورا استحضار نہیں ہے تو اُن میں سے کسی کے اختیار کرلینے کا احتمال ہے اس لئے ان پر متنبہ کردینا ضروری ہے تنبیہ سے اُن کا پورا استحضار ہو جاوے گا پھر غلطی کی کوئی صورت اختیار کرنے کا احتمال نہ رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مخاطبین میں سے بعض کو یہ غلطیاں معلوم ہی نہ ہوں تو اُن کو اس تنبیہ سے علم بھی ہو جائے گا اور استحضار بھی۔ اب سنئے کہ وہ غلطیاں دو ہیں۔ جو تزکیہ کے متعلق پیش آیا کرتی ہیں۔ مگر غلطیوں کے بیان سے پہلے میں تزکیہ کی حقیقت بیان کردوں کیونکہ بعض دفعہ حقیقت کے معلوم نہ ہونے سے بھی غلطی میں وقوع ہو جاتا ہے سو تزکیہ کے معنے ہیں اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا۔ کیونکہ جس طرح جسم ظاہری کے لئے ایک حالت صحت کی ہے اور ایک مرض کی۔ اسی طرح

باطن کے لئے بھی ایک حالت صحت کی ہے اور ایک مرض کی۔ اور نفس کو امراض باطنہ سے پاک کرنا ہی تزکیہ ہے جس کا شریعت میں نہایت تاکید سے امر ہے۔ اور اسی کو مدار فلاح ٹھہرایا گیا ہے یہاں ایک خفیف سا شبہ ہے درمیان میں اُس کو بھی میں رفع کر دینا چاہتا ہوں ممکن ہے کہ جن لوگوں نے درسیات باقاعدہ نہ پڑھی ہوں اُن کو یہ شبہ ہو جاوے اور ممکن ہے کہ وہ اس تقریر کے بعد بھی اپنے شبہ کو حل نہ کر سکیں کیونکہ قرآن سمجھنے کے لئے علوم عربیہ کی ضرورت ہے اور جو شخص علوم عربیہ سے ناواقف ہے وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن مجملاً اس تقریر سے اُن کو اپنے شبہ کا غلط ہونا تو معلوم ہو جائے گا۔ اور اتنا بھی کافی ہے وہ شبہ یہ ہے کہ یہاں پر تو اللہ تعالیٰ نے قد افلح من زکٰہا فرمایا ہے جس سے تزکیہ کا مدار فلاح اور مامور بہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ (لا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقٰے۔ جس کا ترجمہ ناواقف یوں کرے گا کہ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ لا تزکوا نہی کا صیغہ ہے مشتق تزکیہ سے تو اب اُس کو اشکال واقع ہوگا کہ ایک جگہ تو تزکیہ کا امر ہے اور ایک جگہ اُس سے نہی ہے اس کے کیا معنے جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اسی آیت میں لا تزکوا انفسکم کو اس کے مابعد سے ملا کر غور کیا جاوے تو شبہ حل ہو جاوے گا۔ قرآن میں اکثر شبہات ماسبق اور مابعد کو نہ ملانے سے پیدا ہوتے ہیں اگر شبہ وارد ہونے کے وقت آیت کے ماسبق اور مابعد میں غور کر لیا کریں تو خود قرآن ہی سے شبہ رفع ہو جایا کرے اور اسی جگہ شبہ کا جواب موجود ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں ہر شبہ کا جواب بھی ساتھ ساتھ ذکر فرما دیا ہے۔ جیسا کہ تکوینیات میں بھی حق تعالےٰ کی یہی عادت ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے خواص ادویہ کی تحقیق کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جن نباتات میں کسی قسم کا ضرر ہے جس مقام پر وہ پیدا ہوتی ہیں اُسی مقام پر ایک دوسری نبات بھی حق تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں جس میں اُس ضرر کی اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ ایک گھاس زہریلی ہوتی ہے جس کو بچھو کہتے ہیں اُس میں بچھو کی سی خاصیت

ہے کہ اُس کے چھونے سے بچھو کا سا اثر ہوتا ہے۔ تو جس مقام پر وہ پیدا ہوتی ہے اُسی مقام پر اُس کے پاس ہی اللہ تعالے نے دوسری گھاس اُس کی اصلاح کرنے والی پیدا کر دی ہے کہ اُس کے ملنے سے وہ اثر زائل ہو جاتا ہے خیر تکوینیات میں تو ہم کو زیادہ تحقیق نہیں اور اُس کی چنداں ضرورت بھی نہیں کہ سب چیزوں کی خاصیات دریافت کی جائیں اور ہر قسم کی دوائیں جمع کی جائیں۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ عدم تحقیق کی وجہ سے کسی مضر کو استعمال کرے گا۔ اور اُس کی مضرت کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ ہلاک ہو جائے گا تو ہلاک ہونا تو ایک دن ضروری ہے۔ بدون کسی مضر چیز کے استعمال کئے بھی موت ایک دن آنی ہے۔ مگر شرعیات میں یہ ضروری ہے کہ جو امور مضر ہیں اُن کو جانے کیونکہ اُن کے نہ جاننے سے دینی ضرر ہوتا ہے جو کہ خسارۂ عظیم ہے۔ اس کا ضرر موت سے بھی ختم نہ ہوگا۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی رہے گا اور یہ سخت ضرر ہے جس کا تحمل نہیں ہو سکتا اسی لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کانوا یسئلون عن الخیر وکنت اسئلہ عن الشر مخافۃ ان یدرکنی یعنے اور صحابہ تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے خیر کی تحقیق کیا کرتے تھے اور میں شر کی تحقیق زیادہ کیا کرتا تھا اس خوف سے کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اس لئے جو چیز دین کو مضر ہو اُس کی تحقیق کر لینا لازم ہے۔ منجملہ اس کے وہ شبہات بھی ہیں جو قرآن و حدیث میں لوگوں کو پیش آیا کرتے ہیں اُن کا رفع کرنا ضروری ہے اور اس میں حق تعالی نے یہ اعانت فرمائی ہے کہ جس جگہ قرآن میں شبہ ہوتا ہے وہیں جواب بھی مذکور ہوتا ہے۔ لہذا شبہ کے وقت سیاق و سباق میں ضرور غور کر لینا چاہئے۔ چنانچہ لاتزکوا انفسکم پر جو قد افلح من زکہا سے تعارض کا شبہ ہوا تھا اُس کا جواب اسی جملہ کے ساتھ دوسرے جملہ میں مذکور ہے یعنے ھو اعلم بمن اتقٰی میں کیونکہ اس میں نہی مذکور کی علت کا ذکر ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ حق تعالے خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے۔ اس میں حق تعالی نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں، ایک اپنا زیادہ علیم ہونا۔ دوسرے

من اتقے کے ساتھ علم کا متعلق ہونا۔ اور نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے یہہ بات ظاہر ہے کہ تقوی باطنی عمل ہے چنانچہ حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔ الا ان التقوی ھھنا واشار الی صدرہٖ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ سنلو تقوی یہاں ہے۔ نیز تقوے کے معنے لغۃً ڈرنے اور پرہیز کرنے کے ہیں۔ یعنے معاصی سے بچنا اور ڈرنا تو ظاہر ہے۔ کہ باطن کے متعلق ہے اور معاصی سے بچنے کی ڈر خود اصلاح باطنی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں اس کی پوری تصریح ہے۔ ان فی جسد ابن ادم مضغۃً اذا صلحت صلح الجسد کلہ الا وھی القلب۔ کہ انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے۔ سنلو وہ دل ہے اس سے تقوے کی حقیقت واضح ہوگئی کہ تقوی صلاحیت قلب کا نام ہے پس اب تقوی اور تزکی دونوں مرادف ہوئے تو آیت کا حاصل یہ ہوا۔ ھو اعلم بمن تزکی ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اب یہ سمجھو کہ اس میں تزکی کو عبد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے اُس کا داخل اختیار ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ تو تو وہ مقدور ہوا پھر یہ کہ اعلم فرمایا ہے۔ اقدر نہیں فرمایا (اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوا کہ بندہ کی قدرت کی نفی مقصود نہیں ہے۔ پس اس سے بھی تقوی و تزکی کا مقدور عبد ہونا مفہوم ہوا ورنہ اعلم نہ فرماتے بلکہ اقدر علی جعلکم متقین یا اس کے مناسب اور کچھ فرماتے۔ جب تقوی اور تزکی ایک ٹھہرے اور مقدور عبد ٹھہرے اب غور کرنا چاہئے کہ ھو اعلم بمن اتقے لا تزکوا انفسکم کی علت بن سکتی ہے یا نہیں۔ اگر لا تزکوا کے معنے یہ لئے جائیں کہ نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو یعنے نفس کو رذائل سے پاک کرنے کی کوشش نہ کرو تو ھو اعلم بمن اتقے اس کی علت نہیں ہو سکتی کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے نفسوں کو رذائل سے پاک نہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالے خوب جانتے ہیں کہ کس نے تزکی اور تقوی کیا ہے اور یہ ایک بے جوڑ سی بات ہے یہ تو ایسا ہوا جیسے یوں کہا جائے۔ کہ

نماز نہ پڑھو کیونکہ اللہ تعالےٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے نماز پڑھی ہے۔ ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ کا بندہ کے کسی فعل کو جاننا اُس کے ترک کی علت نہیں ہو سکتی ورنہ پھر سب افعال کو ترک کر دینا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ تو بندہ کے سبھی افعال کو جانتے ہیں بلکہ اس کے مناسب یہ علت ہو سکتی تھی کہ ھواقدر علی جعلکم متقین اونحوہ یعنے یوں فرماتے کہ تم نفس کو رذائل سے پاک نہ کرو کیونکہ تم کو متقی بنانے پر حق تعالیٰ زیادہ قادر ہیں تم پورے قادر نہیں ہو پھر کیوں کوشش کرتے ہو۔ جب یوں نہیں فرمایا بلکہ اعلم بمن اتقیٰ فرمایا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں تزکیہ کے وہ معنے نہیں بلکہ کچھ اور معنے ہیں جس کے ترک کی علت ھواعلم بن سکے سو وہ معنے یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو یعنے پاکی کا دعوٰی کرو کیونکہ حق تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون متقی ہے (اور کون پاک ہوا ہے) یہ بات تم کو معلوم نہیں اس لئے دعوٰے بلا تحقیق مت کرو۔ اب کلام میں پورا جوڑ ہے اور علت و معلول میں کامل ارتباط ہے۔ اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ تزکیہ باب تفعیل کا مصدر ہے اور تفعیل کی خاصیتیں مختلف ہیں جس طرح اُس کی ایک خاصیت تعدیہ ہے۔ اسی طرح ایک خاصیت نسبت بھی ہے پس قد افلح من زکہا میں تزکیہ کا استعمال خاصیت تعدیہ کیساتھ ہوا جس کے معنے یہ ہیں کہ جس نے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا اس میں نفس کو رذائل سے پاک کرنے کا امر ہے اور لا تزکوا انفسکم میں تزکیہ کا استعمال خاصیت نسبت کے ساتھ ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو اس میں نفس کو پاک کہنے کی ممانعت ہے۔ اب ان دونوں میں کچھ بھی تعارض نہیں۔ کیونکہ جس چیز کا ایک جگہ امر ہے دوسری جگہ اُس کی ممانعت نہیں بلکہ ایک نئی چیز کی ممانعت ہے۔ حکم تو نفس کے پاک کرنیکا ہے اور ممانعت پاک کہنے سے ہے کہئے اب کیا اشکال رہا۔ مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو عربیت سے واقف ہے۔ اسی لئے فہم قرآن کے لئے عربی جاننے کی سخت ضرورت ہے۔ بدون زبان عربی کا کافی علم حاصل کئے قرآن کا صحیح ترجمہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اردو میں جب عربی زبان کا ترجمہ

کیا جاتا ہے تو چونکہ اردو اور عربی زبانیں مختلف ہیں دونوں کے محاورات الگ ہیں اس لئے اگر کسی کو عربی کا علم کافی نہیں اُس کے ترجمہ میں بعض جگہ ایہام رہ جائے گا۔ جس سے شبہات پیدا ہوں گے اور بعض جگہ ترجمہ غلط ہو جاوے گا جیسے سورۃ والضحےٰ میں ضالاً کا ترجمہ بعض نے گمراہ کردیا ہے جو باوجود فی نفسہ صحیح ہونے کے ایک عارض کے سبب غلط ہو گیا۔ اور وہ عارض یہ ہے کہ ضال لفظ عربی ہے جس کا عربی میں مختلف استعمال ہوتا ہے یعنے اُس میں بھی جس کو وضوح دلیل نہ ہوا ہو اور اُس میں بھی جو بعد وضوح دلیل کے مخالفت کرے اور گمراہ ہمارے محاورہ میں صرف اُس کو کہتے ہیں۔ جو وضوح دلائل کے بعد حق کا اتباع نہ کرے اور لغت عربیہ کے اعتبار سے لفظ ضال دو معنے کو جیسا کہ مذکور ہوا عام ہے۔ ایک معنی ضال کے وہ ہیں جو ہمارے محاورہ میں گمراہ کے ہیں اور دوسرے معنے بیخبر کے ہیں اور بے خبر اُس کو کہتے ہیں جس پر دلائل ظاہر ہی نہیں ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے وضوح حق کے بعد اُس کا اتباع نکرنا محال ہے۔ لہذا اس جگہ گمراہ سے ترجمہ کرنا غلط ہے۔ بلکہ بے خبری سے ترجمہ کرنا مناسب ہے اور گو بے علمی بھی بے خبری کا مرادف ہے مگر اس سے بھی ترجمہ مناسب نہیں۔ کیونکہ ہمارے محاورہ میں بے علم جاہل کو کہتے ہیں۔ جو علوم صحیحہ سے بالکل عاری ہو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے گو علوم نبوت سے بیخبر ہوں۔ مگر علوم عقلیہ میں کامل تھے۔ (چنانچہ آپ نبوت سے پہلے بھی تمام عقلاء میں ممتاز اور صاحب الرائے صحیح العقل کامل الفہم مشہور تھے۔ اور یہ محض دعوےٰ ہی نہیں۔ بلکہ واقعات تاریخیہ اس پر شاہد ہیں کہ نبوت سے پہلے اہم واقعات اور امور متنازعہ میں لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بکثرت رجوع کرتے تھے۔ ۱۲) پس بے علمی سے بھی ترجمہ مناسب نہیں بلکہ بے خبری ہی سے ترجمہ کرنا مناسب ہے۔ اور کسی بات سے بے خبری کچھ عیب نہیں کیونکہ علم ذاتی اور علم محیط سوائے خدا تعالےٰ کے کسیکو نہیں۔ ہر شخص علم میں تعلیم الٰہی کا محتاج ہے۔ (بالخصوص علوم سمعیہ نقلیہ میں جنکے

ادراک کے لئے عقل محض ناکافی ہے ۱۲) اور ہر شخص کو جو علم حاصل ہوتا ہے معلوم
کرنے سے پہلے وہ بے خبر معلوم ہی ہوتا ہے۔ پس علم بعد عدم علم کوئی عیب نہیں۔ چنانچہ
حق تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں بھی فرماتے ہیں۔ وَکَذٰلِکَ
نُرِیۡ اِبۡرٰھِیۡمَ مَلَکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلِیَکُوۡنَ مِنَ الۡمُوۡقِنِیۡنَ ۝
اس آیت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت سموات وارض
کا پہلے علم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیم وارادت سے اُن کو یہ علم حاصل ہوا پس بےخبری
کچھ عیب نہیں تو مناسب ترجمہ ضالاً کا اس جگہ ناواقف ہے۔ پس اس لفظ کا یہ صحیح
ترجمہ موجود تھا۔ مگر مترجمین کی نظر اس پر نہیں پہونچی اور وہ ضالاً کا ترجمہ گمراہ کر گئے
حاصل یہ کہ الفاظ عربیہ کا ہر ترجمہ ہر جگہ کافی نہیں ہوتا اور مقصود کے سمجھنے میں غلطی واقع
ہوجاتی ہے اس لئے ترجمہ کے لئے خود عربی کا بھی پوری طرح جاننا اور اُس زبان کے
محاورات سے بھی جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے پورا واقف ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ
قد افلح من زکھا اور لا تزکوا انفسکم میں دونوں جگہ زکی اور لا تزکوا
باب تفعیل ہی سے ہے تو جو شخص عربی نہ جانتا ہوگا وہ دونوں جگہ ایک ہی معنے
سمجھے گا۔ اور شبہات میں پڑے گا اور جو شخص عربی جانتا ہوگا وہ سمجھے گا کہ باب تفعیل
کی خاصیتیں مختلف ہیں جس طرح تعدیہ ایک خاصیت ہے نسبت بھی اسی باب
کی ایک خاصیت ہے۔ پس ایک جگہ ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے کو پاک نہ کہو اور ایک جگہ
ترجمہ یہ ہوگا۔ کہ جس نے نفس کو پاک کیا۔ اور پاک نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے
کو تزکیہ کی طرف منسوب نہ کرو یعنے یہ دعوے نہ کرو کہ ہم پاک ہوگئے یعنی گفتن کے
دو معنے ہیں ایک تو مطلق کہنا گو بقصد قبول حق کے ہو۔ دوسرا کمال کا دعویٰ
کرنا پس لا تزکوا میں تزکیہ بمعنی پاک گفتن سے مراد دعوے پاکی کردن ہے۔ مطلق اقرار
وقبول حق مراد نہیں کہ وہ تو مامور بہ ہے۔ اسی کے مماثل صوفیہ کرام کا یہ قول ہے۔

؎

مغرور سخن مشو کہ توحید خدائے ✽ واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

اس گفتن کا بھی یہی مطلب ہے کہ دعوئے توحید مت کرو یہ مطلب نہیں کہ توحید کے قائل نہ ہو۔ کیونکہ تکلم بکلمۃ الشہادۃ تو فرض ہے اس سے کیونکر روک سکتے ہیں۔ بلکہ مقصود دعوے سے روکنا ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ امام اشعری رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ انا مؤمن حقا نہ کہنا چاہئے بلکہ انا مؤمن انشاء اللہ کہنا چاہئے۔ اور انھوں نے بھی حقیقت میں دعوے ہی سے منع کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ انا مؤمن انشاء اللہ کہنا چاہئے یا انا مؤمن حقاً تو اشعری انا مؤمن حقا کہنے سے منع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انا مؤمن انشاء اللہ کہنا چاہئے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انا مؤمن حقا کہنا چاہئے انا مؤمن انشاء اللہ نہ کہنا چاہئے مشہور قول میں تو اس اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جن لوگوں نے انا مؤمن حقا سے منع فرمایا ہے اور انا مؤمن انشاء اللہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ انھوں نے مآل پر نظر کی ہے اور چونکہ مآل معلوم نہیں کہ ہم مآل میں مؤمن ہیں یا نہیں اس لئے انشاء اللہ بڑھانے کی تاکید کی ہے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ انا مؤمن حقا کہنا چاہئے اُن کی نظر حال پر ہے اور فی الحال اپنے ایمان میں تردد و شک کرنا کفر ہے اس لئے وہ انشاء اللہ بڑھانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انا مؤمن حقا کہنا چاہئے ای فی الحال۔ اور یہ نزاع محض لفظی ہو گا کیونکہ مآل کے اعتبار سے انشاء اللہ بڑھانے کو کوئی منع نہیں کر سکتا اور حال کے اعتبار سے انا مؤمن حقا سے کوئی روک نہیں سکتا۔ مگر میرے ذوق میں یہ ہے کہ جیسے انا مؤمن حقا حال کے اعتبار سے ہے اسیطرح انا مؤمن انشاء اللہ بھی حال ہی کے اعتبار سے ہے مآل کے اعتبار سے نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ حال کے اعتبار سے حقا کہنا چاہئے۔ اور امام اشعری فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ حال کے اعتبار سے بھی انا مؤمن انشاء اللہ ہی کہنا چاہئے اور مطلب اشعری کا یہ ہے کہ انا مؤمن حقا دعوی کے طور سے نہ کہنا چاہئے۔ بلکہ دعوے سے بچنے کے لئے انشاء اللہ کہنا چاہئے۔ اور یہ انشاء اللہ محض برکت کے لئے ہو گا۔ تعلیق

و تردد کے لئے نہیں ہوگا جس سے مقصود تفویض و توکل ہے۔ کیونکہ انشاء اللہ جیسے تعلیق فی المستقبل کے لئے آتا ہے کبھی حال کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جس سے تعلیق مقصود نہیں ہوتی، چنانچہ اس آیت ولا تقولن لشیئ انی فاعل ذالک غداً الا ان یشاء اللہ میں بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو برکت ہی کیلئے انشاء اللہ کہنے کی تعلیم کی گئی ہے یہ انشاء اللہ تعلیق کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ آگے ارشاد ہے۔ واذکر ربک اذا نسیت کہ اگر کبھی انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آوے اُسیوقت انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنے ایک بات کہکر گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد انشاء اللہ کا خیال آوے تو اُس وقت بھی امر ہے کہ انشاء اللہ کہہ لو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ لفظ تعلیق کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ تعلیق کے لئے کلام سابق سے موصول ہونا عقلاً ضروری ہے اور اگر انشاء اللہ کلام سے مفصول ہو تو تعلیق کو مفید نہیں ہو سکتا۔ (قلت وبقید العقل خرج جواباً عما قیل ان ھذا انما یصلح الزاماً علی الحنفیۃ القائلین بعدم جواز الفصل بین المعلق والتعلیق والقائل ان یقول ان لفظۃ الا ان یشاء اللہ۔ فیہ اللتعلیق والاستثناء کما ھو الاصل فیہما فقولہ واذکر ربک اذا نسیت یجیز الفصل بین المعلق والتعلیق والمستثنیٰ منہ والاستثناء کما ھو مذھب ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲ جامع) پس یہاں بھی یعنے انا مؤمن انشاء اللہ میں لفظ انشاء اللہ محض تفویض کے لئے ہے نہ کہ تعلیق و تردد کے لئے اور مطلب اشعری رحمۃ اللہ کا یہ ہے کہ انا مؤمن حقاً میں ایک قسم کا دعویٰ ہے اس لئے دعوے سے بچنا چاہئے اور تفویض کے لئے انشاء اللہ کہنا چاہئے یہی مطلب صوفیہ کا ہوگا اس قول سے ؎

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا ✣ واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

یہاں بھی واحد گفتن کے معنے دعوی کردن ہیں تو صوفیہ کی مراد یہ ہے کہ اپنے کو دعوے کے طور پر موحد نہ کہو، اور جنھوں نے حقاً کہنے کو فرمایا ہے مراد وہ کہنا ہی

جو لطور اقرار بالایمان کے ہو اور یہی مطلب کلا تزکوا کا ہے کہ دعوی کے طور پر اپنے کو پاک نہ کہو. جس پر قرینہ ھو اعلم ہے یعنے خدا ہی کو خبر ہے کہ کون پاک ہے پس دعوئے پاکی کا نہ کرو یہ قرینہ اس پر دال ہے کہ یہاں تزکیہ کے معنے پاک کہنے کے ہیں نہ پاک کرنے کے جیسا مفصلاً اوپر مذکور ہو چکا. اب میں اصل مضمون کو بیان کرتا ہوں کہ تزکیہ کے متعلق سالکین کو کچھ غلطیاں واقع ہوتی ہیں وہ دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تزکیہ کی غایت تزکی ہے پس جب تزکیہ پر تزکی ان کے زعم میں مرتب نہیں ہوتی ہے تو شکستہ خاطر ہو کر عمل کو چھوڑ بیٹھتے ہیں. اور یہ اُن کی غلطی ہے کیونکہ تزکی باب تفعل کا مصدر ہے جو تفعیل کا مطلوع ہے جیسے قطعتہ فتقطع تو اس کا ترتب تزکیہ پر ضروری اور لازمی ہے. جیسے تقطیع پر تقطع کا ترتب لازم ہے پس یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص تزکیہ میں مشغول ہو اور تزکی حاصل نہ ہو. ہاں یہ ضرور ہے کہ جیسا تزکیہ ہوتا ویسی ہی تزکی حاصل ہوتی ہے اگر ناقص تزکیہ ہے تو تزکی بھی ناقص ہے. اور کامل تزکیہ ہے تو تزکی بھی کامل ہوگی اور ظاہر ہے کہ تزکیہ کامل ایک دو دن میں نہیں ہو سکتا تو پھر تزکی کامل ایک دو دن میں کیونکر حاصل ہو جاوے مگر لوگوں کو اول ہی دن سے شوق کامل تزکی کا ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کمال کا طالب ہے اور وہ جلدی حاصل ہوتا نہیں تو شکستہ خاطر ہو کر عمل کو چھوڑ دیتے ہیں. اس کو محققین منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اس کی فکر ہی نہ کرو کہ تزکی کا ترتب ہوا یا نہیں تمھارا کام تزکیہ ہے اُس میں مشغول رہو تم سے تزکیہ ہی میں مشغول ہونا مطلوب ہے. تزکی مطلوب نہیں تم اس کی فکر نہ کرو اور گو بظاہر یہ تحصیل کمال سے روکنا معلوم ہوتا ہے. لیکن واقع میں یہ روکنا نہیں بلکہ تحصیل کمال کی ترغیب ہے. کیونکہ اول ہی سے تزکی کی فکر میں پڑنا اور پھر کچھ دنوں کے بعد تزکی کو اپنے زعم میں حاصل شدہ نہ دیکھنا طالب کے لئے پریشانی کا سبب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ تزکیہ ہی کو چھوڑ دیتا ہے. جو ذریعہ تھا حصول کمال کا. اور جب اُس سے یہ کہدیا جائے گا کہ تزکی کی فکر نہ کرو تم سے یہ مطلوب ہی نہیں بلکہ تزکیہ مطلوب ہے تو وہ بے فکر اور یکسو ہو کر کام میں

تزکیہ سے متعلق سالکین کی پہلی غلطی

لگا رہے گا۔ اور واقع میں تزکیہ کے لئے تزکی لازم ہے وہ تو خود بخود حاصل ہوتی رہے گی اُس کے لئے فکر و قصد کی ضرورت نہیں جس دن یہ کامل ہوگا اُس دن تزکی خود ہی کامل ہو جائیگی اور راز اس میں یہ ہے کہ کمال تزکیہ کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ انسان یکسو ہو کر ہمہ تن اُس میں متوجہ ہو، اور یہ یکسوئی اس پر موقوف ہے کہ حصول تزکی کی فکر میں نہ پڑے اس لئے محققین کا تزکی کی فکر سے منع کرنا تحصیل کمال سے روکنا نہیں بلکہ تحصیل کمال پر اعانت ہے، جیسے کسی کو نماز میں وسوسے آتے ہوں اور وہ بند کرنے کی کوشش کرے مگر بند نہ ہوں اُس وقت بھی محققین یہ کہتے ہیں کہ وساوس کی کچھ پروانہ کرو آنے دو تم وساوس کے ساتھ ہی نماز میں مشغول ہو یہاں بھی شبہ ہوتا ہے کہ کیسے شیخ ہیں جو وساوس کے بند کرنے سے روکتے ہیں گویا نماز کی تکمیل سے منع کرتے ہیں لیکن محقق سمجھتا ہے کہ وساوس دفعۃً بند نہیں ہو سکتے پس اول ہی سے اس کی فکر کرنا کہ نماز میں کوئی وسوسہ نہ آوے طالب کو پریشان کر دے گا۔ وساوس کے بند ہونیکی صورت یہی ہے کہ انسان ہمت کر کے نماز ہی میں توجہ رکھے چونکہ نفس کی دو طرف توجہ نہیں ہوتی اسلئے جب ایک مدت تک توجہ سے نماز کا پابند رہے گا وسوسے خود ہی کم ہو جائیں گے اور ایک وقت وہ آئے گا کہ بالکل بند ہو جائیں گے۔ پس شیخ کا وساوس کی طرف التفات کرنے سے منع کرنا در اصل وساوس کی اجازت نہیں بلکہ تکمیل صلوۃ کی ترغیب ہے۔ کیونکہ اُن کی طرف التفات نہ کرنے سے وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے گا اور اس طرح سے وساوس بند ہو ہو جاویں گے اور اس کی حقیقت یوں سمجھئے کہ وسوسہ کے دو درجے ہیں ایک اختیاری ایک غیر اختیاری، اور کمال صلوۃ کے منافی وسوسہ اختیاری ہے اور غیر اختیاری وسوسہ منافی کمال صلوۃ نہیں ہے، بلکہ اس حالت میں اپنے کام لگا رہنا بوجہ شاق ہونے کے زیادہ ثواب کا موجب ہے جیسے حدیث میں آیا ہے۔ والذی یقرأ القرآن وھو یتتعتع فیہ لہ اجران۔ غرض وسوسہ غیر اختیاری سے نماز ناقص نہیں ہوتی بلکہ واقع میں بکمال ہے۔ مگر بصورت نقصان۔ مگر اس میں بعض

اوقات یہ غلطی ضرور ہو جاتی ہے کہ ایک وسوسہ ابتداءً تو بلا قصد و اختیار آیا پھر یہ شخص با اختیار خود اُدھر متوجہ ہوا اور اُسی میں مشغول ہو گیا اُس وقت دہوکہ ہو جاتا ہے کہ سالک اس وسوسہ کو غیر اختیاری سمجھتا ہے حالانکہ یہ توجہ غیر اختیاری نہیں ہے بلکہ اختیاری ہے حاصل کہ شیخ وساوس غیر اختیاریہ کی طرف التفات اور توجہ کرنے سے اسی لئے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس کے دفع میں بھی کوشش نہ کرو جس سے ظاہر بینوں کو شبہ ہوتا ہے کہ وساوس کی اجازت دیتے ہیں اور نماز ناقص کی تعلیم دیتے ہیں حالانکہ غیر اختیاری وساوس کے ساتھ نماز حقیقت میں کامل ہے گو ظاہر میں ناقص ہو۔ پس ظاہر میں شیخ کا یہ حکم ناقص نماز کا حکم ہے۔ مگر وہ حقیقت بیں ہے اور دور بیں بھی سمجھتا ہے کہ وسوسہ دفعۃً تو قطع ہو گا نہیں۔ اور جب قطع نہ ہو گا تو یہ اس کو ناقص نماز سمجھے گا۔ اور یہ سمجھکر چھوڑ بیٹھے گا۔ اس لئے بھی وہ اسی نماز کو کامل بتاتا اور اُسی کی ترغیب دیتا ہے اور وساوس کی طرف التفات سے منع کر دیتا ہے۔ اسی دور بینی کے سبب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کثرت عبادت سے ممانعت فرمائی ہے۔ ظاہر میں اس پر شبہ ہوتا ہے کہ حضور نے زیادہ عبادت کرنے سے روکدیا۔ حالانکہ اچھی چیز جتنی بھی زیادہ ہو اُتنی ہی اچھی ہے مگر حقیقت میں یہ کثرت عبادت سے ممانعت نہیں بلکہ تقلیل عبادت سے ممانعت ہے۔ کیونکہ کثرت سے نفس کو کچھ دنوں کے بعد ملال اور تعب محسوس ہو گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ گھبرا کر تھوڑی عبادت بھی نہ کر سکے گا۔ اور بالکل معطل ہو جائے گا۔ اس لئے آپ فرماتے ہیں کہ عبادت اس قدر کرنا چاہئے جو ہمیشہ ہو سکے گو قلیل ہی ہو۔ کیونکہ وہ اس وقت گو قلیل ہے لیکن دوام اور نباہ سے کثیر ہو جائے گی۔ اور عبادت کثیرہ گو اس وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر تعطل کے بعد عبادت قلیلہ دائمہ کے سامنے وہ قلیل ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت مولٰنا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سبق کو ایسے حال میں چھوڑو کہ کچھ شوق باقی رہ گیا ہو بالکل سیر ہو کر نہ چھوڑو۔ اگر دس بار کا شوق ہو تو نو بار ذکر

کرو تاکہ ایک بار کا شوق باقی رہے۔ اور اُس کی ایک مثال فرمایا کرتے تھے کہ بچے جو چکئی سے کھیلتے ہیں تو اُس پر کچھ تھوڑا سا ڈورا لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں وہ پھر لوٹ آتی ہے اگر سارا ڈورا کھول دیا جاوے تو پھر عود نہیں کرتی۔ تکلف اعادہ کی حاجت ہوتی ہے۔ مگر یہ مشورہ اُس شخص کے لئے ہے جس میں شوق غالب ہو باقی جو بدشوق ہو اُس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ بتکلف عبادت میں مشغول ہو تاکہ کچھ شوق پیدا ہو۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ گو ثمرہ تزکیہ کا تزکی ہے مگر اُس کا کامل درجہ دفعۃً حاصل نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے شیوخ کہتے ہیں کہ تم تزکی کی فکر ہی میں نہ پڑو بس تزکیہ میں مشغول رہو تزکی خود بخود ہوتی رہے گی۔ رہا یہ شبہ کہ ہم کو تو باوجود سعی کے اب تک کچھ بھی نور حاصل نہیں ہوا۔ تو یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ تزکیہ کے ساتھ تزکی ضرور ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نور تو حاصل ہوا ہے لیکن ابھی اتنا قلیل ہے کہ تم کو محسوس نہیں ہوتا۔ جیسے بچہ دن بدن بڑھتا ہے مگر ہر روز اُس کا بڑھنا محسوس نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ پہلے اس کا اتنا قد تھا۔ اور آج اتنا ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص بچہ کو روزانہ تاگے سے ناپا کرے۔ اور طبیب سے جا کر شکایت کرے کہ جناب نہیں معلوم کیا بات ہے کہ میرا بچہ بڑھتا ہی نہیں تو بتلائیے وہ کیا جواب دے گا۔ یقیناً یہی کہیگا کہ بھائی اُس کا بڑھنا کچھ عرصہ کے بعد دفعۃً محسوس ہو گا تم جلدی نہ کرو دیکھے جاؤ یہی جواب اس شبہ کا محقق دیتا ہے۔ دوسرے یہ بات بھی ہے کہ نور تو پیدا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ غم کی ظلمت اُس کو چھپا لیتی ہے تم کو چونکہ ابھی سے درجہ کمال کی ہوس ہے اور وہ حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے غم ہوتا ہے جس کی ظلمت سے قلیل نور مخفی ہو جاتا ہے اور یہ ظلمت طبعی ہے جو نور طاعت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ اس سے نور طاعت زائل نہیں ہوتا بلکہ چھپ جاتا ہے۔ البتہ ظلمت معصیت نور طاعت کو زائل کر دیتی ہے وہ اس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تم جلدی نہ کرو اور بے فکری سے تزکیہ میں مشغول رہو انشاء اللہ ایک دن تم کو بھی نور محسوس ہو جائے گا۔ اس جلدی پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک عالم پست آواز تھے ایک بزرگ اُن کے حلقۂ وعظ

میں بیٹھے تھے مگر اُن تک آواز نہ پہونچتی تھی۔ اس لئے اور آگے بڑھکر بیٹھے پھر بھی آواز نہ آئی۔ تو بالکل قریب جاکر بیٹھے اب آواز آئی تو مضامین بہت اچھے تھے سُنکر بہت محظوظ ہوئے۔ جب وعظ ختم ہو گیا تو اُن بزرگ نے گھر جاکر دعا کی کہ مولوی صاحب کی آواز بلند ہو جاوے دعا کرنے کے بعد ایک آدمی کو اُن کے پاس بھیجا کہ جاکر دریافت کرو آواز بلند ہوئی یا نہیں انھوں نے کہا نہیں، تو بعضے بزرگ بہت بھولے ہوتے ہیں۔ یہ بھولا پن دنیوی کاموں میں تو مضر نہیں، مگر ضروریات دینیہ میں مضر ہوتا ہے۔ (چنانچہ اُن بزرگ کی جلدی سے عام لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہوگا۔ کہ اجابت دعا کے معنی یہی ہیں۔ کہ دعا کرتے ہی فوراً اثر ظاہر ہو جاوے۔ حالانکہ اجابت دعا کے لئے یہ لازم نہیں بعض دفعہ انبیاء علیہم السلام کی دعا کا اثر بہت دیر میں ظاہر ہوا ہے۔ باوجودیکہ وحی سے اُن کا اطمینان کر دیا گیا تھا کہ دعا قبول ہو گئی۔ ۱۲ ظ) اسی طرح بعض لوگ بھولے پن سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب کسی عمل کا ثمرہ روز کے روز حاصل نہ ہوا تو فائدہ ہی کیا اور یہ سمجھکر عمل کو چھوڑ بیٹھتے ہیں میں اس غلطی کو رفع کرتا ہوں اور خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ جلدی مناسب نہیں اس طریق میں تعجیل سد راہ ہے۔ بس کام کئے جاؤ انشاء اللہ ایک دن ثمرہ تم کو خود بھی نظر آجائے گا۔ دیکھو حق تعالےٰ نے بھی عدم تعجیل کی تعلیم کے لئے آسمان زمین کو جلدی نہیں بنایا۔ باوجودیکہ اُن کی شان ہے۔ انما قولنا لشیئٍ اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون ۱۲ اگر چاہتے تو ایک لمحہ میں سب کچھ پیدا فرما دیتے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ ارشاد ہے۔ خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش کہ چھ دن میں آسمان اور زمین کو بنایا یہاں ایک علمی فائدہ استطراداً عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ یہود نے اس تدریج سے یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ آسمان اور زمین کے بنانے میں تھک گئے اور عرش پر لیٹ گئے اس لئے ایک آیت میں یہ بھی فرما دیا وما مسنا من لغوب۔ کہ ہم کو کچھ بھی تھکن نہیں ہوتی اس میں یہود کی گستاخی کا جواب ہے اور یہود نے یہ کلمہ چونکہ گستاخی اور بے ادبی کے طور سے کہا تھا مذمت کی گئی اور موسیٰ علیہ السلام کے چرواہے نے محبت سے یہی کلمہ

کہا تھا اس کی شکایت تو کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اُس کو ایسی باتوں سے روک دیا تو اُن پر عتاب ہوا۔ ؎

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا	بندۂ ما را چرا کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی	نے برائے فصل کردن آمدی
موسیا آداب دانان دیگر اند	سوختہ جان و روانان دیگر اند

غرض یہود بڑے گستاخ اور نالائق تھے وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو چھ دن میں بنا کر تھک گئے اور تھک کر عرش پر لیٹ گئے اور چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود کی اس قسم کی گستاخیاں سنکر رنج ہوتا تھا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے وما مسنا من لغوب کے بعد یہ بھی ازالہ حزن کے لئے فرمایا فاصبر علیٰ ما یقولون کہ ان کمبختوں کی باتوں پر صبر کیجئے۔ پھر چونکہ حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی سُن کر حضور جیسا عاشق صبر نہیں کر سکتا۔ اس لئے آگے صبر کا طریقہ بتلاتے ہیں وسبح بحمد ربک کہ آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہئے یعنے اُن کی طرف سے توجہ کو ہٹا کر ذکر الٰہی میں لگ جائیے اُدھر توجہ ہی نہ کیجئے جو سُنکر ایذا پہونچے بلکہ اپنی توجہ کو محبوب کی طرف مشغول کر دیجئے۔ الغرض حق تعالیٰ نے زمین و آسمان کو باوجود یک لمحہ میں پیدا کر سکنے کے چھ دن میں پیدا کیا۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ مخلوق کو تعلیم کرنا مقصود ہے۔ لیعلم المخلوق التثبت فی الامور۔ تاکہ مخلوق کو جملہ امور میں اطمینان و تحمل کا سبق حاصل ہو۔ کہ اگر کسی مقصود کی حصول میں دیر ہو جائے تو گھبرانا نہیں دیکھو ہم نے کتنے بڑے قادر ہونے کے خلق السمٰوات والارض میں اتنی دیر لگائی حالانکہ ہم کو جلدی پیدا کرنا بھی آسان تھا پھر باوجود آسان ہونے کے ہم نے اتنی دیر لگائی اور تم تو قادر بھی نہیں اور حصول مقصود بھی تم کو مشکل ہے پھر تم جلدی کیوں کرتے ہو بس طالب کی شان تو یہ ہونا چاہئے۔ ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید ٭	یا تن رسد بجانان یا جان ز تن برآید

اگر اسی حالت طلب میں مرجائے گا تو انشاء اللہ مرنے کے بعد تکمیل کر دی جاوے گی

چنانچہ قرآن کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف یاد کرتا ہوا اور پورا یاد ہونے سے پہلے مرجاوے تو اللہ تعالےٰ قبر میں اُس کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجتے ہیں وہ اُسے پورا قرآن شریف یاد کرا دیتا ہے اس واسطے آدمی کو چاہئے کہ طلب میں مشغول رہے اور کام کئے جائے اور حصول مقصود میں تعجیل نہ کرے ہاں پہلے یہ تحقیق کرلے کہ میں رستہ پر بھی چل رہا ہوں یا نہیں۔ جب یہ معلوم ہوجائے کہ رستہ پر چل رہا ہوں تو بس پھر اطمینان کے ساتھ چلتا رہے کبھی نہ کبھی مقصود تک پہونچ ہی جاوے گا۔ اور اگر راستہ ہی غلط ہے تو جتنا چلے گا اُتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے۔ اور راستہ پر پڑ جانے کے بعد پھر یہ کوشش نہ کرے کہ وصول جلدی ہی ہوجاوے اگر دنیا میں بھی وصول نہ ہوا تو انشاء اللہ مرنے کے بعد تکمیل ہوجاوے گی۔ ہاں یہ شرط ہے کہ برابر طلب میں لگا رہے دوام طلب کو ہاتھ سے نہ دے اور اگر کبھی معمول ناغہ ہوجاتا ہو تو اُس سے بھی نہ گھبرائے بلکہ ناغہ کے بعد پھر کام میں لگ جائے یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا۔ کبھی کبھی ناغہ ہوجانے کو دوام کے خلاف نہ سمجھو اور اس سے گھبرا کر طلب سے ہمت نہ ہارو۔ دیکھو جو شخص دس مرتبہ روزانہ وظیفہ پڑھتا ہے تو اُس وقت سے دوسرے وقت تک کتنے گھنٹے ذکر سے خالی گذر جاتے ہیں یہ بھی تو ناغہ ہے مگر پھر بھی اُس کو دوام کہا جاتا ہے تو اسیطرح ایک صورت دوام کی یہ بھی ہے۔ کہ درمیان میں بجائے گھنٹوں کے ایام کا ناغہ ہوجائے۔ مولنا فرماتے ہیں۔ ؎

دوست دارد دوست ایں آشفتگی * کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

غرض بالکل نہ ہونے سے ناغہ کے ساتھ کام میں لگا رہنا بھی مفید ہے۔ پس جس طرح ہوسکے طلب کو نہ چھوڑو انشاء اللہ کسیوقت کامیاب ہوجاؤ گے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش * تادم آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود * کہ عنایت با تو صاحب سر بود

وصول جب ہوتا ہے دفعۃً ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام دل سے اس طرح نکلتا ہے جو سالک کو واصل کردیتا ہے اس لئے جتنا ہوسکے اُس کو بیکار نہ سمجھو چاہے

قاعدہ سے ہو یا بے قاعدہ ناغہ سے ہو یا بلا ناغہ کرتے رہو اسیطرح ایکدن عنایت ہو جائیگی (حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں ؎

گرچہ کرتے ہیں بہت سی نالہ و فریاد ہم
بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہونچے وہاں

(۱۲) دیکھو جب کوئی شخص کھانا کھاتا ہے تو پہلے ہی لقمہ سے پیٹ نہیں بھرتا بلکہ آخر میں ایک لقمہ ایسا ہوتا ہے جس کے پہونچتے ہی پیٹ بھر جاتا ہے۔ اسی طرح بندہ جب ذکر و شغل میں مشغول ہوتا ہے تو پہلے ہی دن واصل نہیں ہوتا بلکہ آخر میں ایک دفعہ اللہ کا نام اس طرح لیتا ہے کہ اُس پر جذبۂ غیبی وارد ہو جاتا ہے جو سالک کو دفعۃً واصل کر دیتا ہے مگر وہ ہوتا ہے ان اعمال ہی کے بعد (جیسے پیٹ تو آخری لقمہ سے بھرتا ہے مگر جب ہی کہ اُس سے پہلے اور بھی لقمے پہونچ چکے ہوں۔ (۱۳) اسیطرح قد افلح من تزکیھا میں حق تعالیٰ نے تزکیہ پر فلاح کو مرتب فرمایا ہے پس تزکیہ میں مشغول رہنا چاہئے تزکی ہو یا نہ ہو تم اس کی فکر میں نہ پڑو تزکیہ کرتے کرتے ایک دن ایسا ہوگا کہ دفعۃً تزکی حاصل ہو جاوے گی۔ بس سالک کو اتنا ضرور ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھتا رہے کہ اُن میں خلاف شریعت تو کوئی بات نہیں جب اعمال درست ہوں تو بے فکری کے ساتھ کام میں لگا رہے یہ انشاء اللہ کامیاب ہوگا چاہے احوال و کیفیات ہوں یا نہ ہوں انوار و تجلیات وارد ہوں یا نہ ہوں اسیکو عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست
ہشدار گوش را بہ پیام سروش دار

یہاں پیام سروش سے وحی مراد ہے کہ احکام وحی کے ساتھ اپنے اعمال کا موازنہ کرتے رہو۔ اگر اعمال میں تو خلاف شرع کوئی بات نہیں مطمئن رہو تم صراط مستقیم پر چل رہے ہو کسی دن ضرور مقصود پر پہونچو گے۔ واللہ اس راہ میں وحی ہی راہبر ہے سالک کو چاہئے کہ شریعت کو اپنا امام بنائے شریعت کے خلاف کوئی کام نہ ہو پھر کوئی خطرہ نہیں جو حالت بھی پیش آئے وہ مضر نہ ہوگی۔ یہاں تک ایک غلطی کی اصلاح تھی۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سنکر کہ چاہے ثمرہ حاصل ہو یا نہ ہو کام میں لگا رہنا چاہئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بس کام کرو چاہے تکمیل ہو یا نہ ہو اور یہ سمجھکر ادنے درجہ کا عمل کرنے لگتے

ہیں مثلاً نماز و ذکر میں از خود وساوس لانے لگے حالانکہ ناقص عمل حصول مقصود کیلئے کافی نہیں تکمیل جب ہوتی ہے۔ اعلیٰ درجہ کے عمل سے ہوتی ہے جو عمل غفلت کے ساتھ کیا جاوے اُس سے باطنی نفع نہیں ہوتا (بس خوب سمجھ لو کہ جب تک کامل عمل پر قدرت نہ ہو اُس وقت تک تو ناقص عمل ہی کو غنیمت سمجھکر کرتے رہو اور تکمیل کی کوشش میں لگے رہو ہمت نہ ہارو اور جب ناقص عمل پر کچھ دنوں دوام کرکے عمل کامل پر قدرت حاصل ہو جاوے اُس وقت عمل ناقص کو کافی نہ سمجھو بلکہ عمل کامل کا اہتمام اب بھی کرو ناقص میں لگے رہے تو تکمیل نہ ہو سکے گی اس کی ایسی مثال ہے کہ بچہ جب تک روٹی کھانے کے قابل نہ ہو اُس وقت تک تو اُس کو دودھ پر اکتفا کرنا جائز ہے اور نشو و نما کو مانع نہیں لیکن جب وہ دو برس کا ہو کر روٹی ہضم کرنے کے قابل ہو جاوے اب اُس کو دودھ پر اکتفا جائز نہیں بلکہ اب اُسے روٹی کھانا چاہئے اور دودھ کو بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر وہ اب بھی دودھ پر اکتفا کرے گا تو نشو و نما میں قصور رہے گا اور وہ مرد کامل نہ ہو سکے گا بس پہلی غلطی کا تو حاصل یہ تھا کہ بعض سالکین اول ہی سے کمال کی ہوس کرنے لگتے ہیں جیسے کوئی بچہ شروع ہی سے اگر دودھ کے بجائے روٹی کی ہوس کرنے لگے تو اُن سے کہا جاتا ہے کہ ابھی کمال کی ہوس نہ کرو بس کام میں لگے رہو چاہے ناقص ہی ہو۔ ہمت نہ ہارو۔ اور دوسری غلطی کا حاصل یہ ہے۔ کہ بعض لوگ ناقص عمل ہی کو ہمیشہ کے لئے کافی سمجھنے لگے جیسے بچہ ہمیشہ کو دودھ ہی پر اکتفا کرنا چاہے تو اُن سے کہا جاتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے کافی نہیں جب عمل کامل پر قدرت ہو جاوے تو اب عمل کامل کا اہتمام کرو ناقص کو پس پشت چھوڑ دو۔ ۱۲) بعض لوگ وساوس کو خود تو نہیں لاتے مگر اس مقام پر شیطان ایک اور دھوکہ دیتا ہے وہ یہ کہ خطرہ اولاً تو بے اختیار ہی آیا مگر پھر یہ شخص اپنے اختیار سے اُس میں مشغول ہو گیا اور یہ سمجھتا رہا کہ یہ تو بے اختیاری خطرہ تھا حالانکہ اُس کا حدوث صرف غیر اختیاری تھا باقی اُس میں مشغولی اور اُس کا ابقاء تو غیر اختیاری نہ تھا بلکہ یہ فعل اختیاری ہے بس ورود تو مضر نہ ہوگا۔ مگر اُس میں مشغول ہونا مضر ہوگا۔ چنانچہ احادیث میں نامحرم پر پہلی نظر (جو فجاءۃً اچانک پڑ جائے ۱۲) معاف ہے چنانچہ ارشاد ہے

لک الاولی مگر اُس نظر کو باقی رکھنے کی ممانعت ہے چنانچہ ارشاد ہے وعلیک الاخرۃ کیونکہ دفعۃً نظر پڑجانا تو بے اختیاری بات ہے کہ پہلے سے خبر ہی نہ تھی کہ سامنے کون آرہا ہے اچانک سامنا ہوگیا لیکن نظر پڑنے کے بعد نگاہ کو نہ ہٹانا اور برابر گھورتا رہنا اور نظر جمانا یہ تو اختیاری ہے۔ یہاں بھی بعض لوگوں کو وہی دہوکہ ہوا ہے جو وسوسہ میں بعضوں کو ہوتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری نظر یہ ہے کہ ایک بار نظر ہٹا کر پھر دوبارہ نظر کی جاوے۔ اور اگر نظر نہ ہٹاوے بلکہ برابر دیکھتا رہے تو گناہ نہیں کیونکہ یہ تو سب اول ہی نظر میں داخل ہے اس کا حل آیت لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا نے کردیا ہے اس میں فیصلہ ہے کہ غیر اختیاری بات پر مواخذہ نہیں اور اختیاری پر مواخذہ ہے اب خود دیکھ لو کہ نظر جمانا اختیاری ہے یا غیر اختیاری ہے۔ یقیناً اس میں اختیار کو دخل ہے تو اس پر ضرور مواخذہ ہوگا۔ ایک محرف درویش نے لک الاولی میں اوپر کا بدن دیکھنا مراد لیا اور علیک الاخرۃ میں نیچے کا بدن دیکھنا وہ کہتے تھے کہ اوپر کا بدن جنت ہے اور نیچے کا بدن دوزخ اور جنت کا تعلق رضوان سے ہے اور دوزخ کا مالک سے اور رضوان عورت کی رضا ہے اور مالک شوہر ہے۔ پس اوپر کا بدن دیکھنا تو عورت کی رضا سے جائز ہے اور نیچے کا بدن مالک کا حق ہے یعنی شوہر کا۔ استغفراللہ کیا واہیات بات ہے میں کہتا ہوں کہ اگر مالک اجازت دیدے تو شاید یہ اسفل دیکھنا بھی جائز کرلیں گے۔ تو جو شخص ایسے ایسے خیالات پکا کر وسعت نکالے گا تو ضرور اُس کے اعمال ناقص رہیں گے اور ناقص اعمال پر ثمرہ مرتب نہیں ہوتا تو یہ عمر بھر ناکام رہیگا۔ باقی فضل کی اور بات ہے ورنہ قاعدہ یہی ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اس سے معلوم ہوا کہ وصول کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ ناقص عمل میں مجاہدہ نہیں ہوتا بلکہ مزا آیا کرتا ہے مثلاً کوئی شخص حساب کررہا تھا اور ایک دوسرا آدمی آکر اُسے باتوں میں لگالے جس سے حساب میں خلل پڑنے لگا تو اس شخص نے کھڑی ہوکر نماز کی نیت باندھ لی اور حساب سوچنے لگا تو اس میں خاک مجاہدہ ہوگا۔ بلکہ اس میں تو مزہ آئے گا۔ چنانچہ اسی مزہ کی وجہ سے نماز میں حساب خوب یاد آتا ہے نماز میں

دنیا کی باتیں یاد آجانے پر ایک قصہ یاد آگیا۔ ایک شخص نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ میں نے گھر میں ایک جگہ روپیہ دفن کیا تھا اب وہ جگہ بھول گیا کسی طرح یاد نہیں آتی۔ کوئی ترکیب بتلایئے جس سے جگہ یاد آجاوے۔ اول تو امام صاحب نے عذر کیا کہ بھائی اس کی ترکیب میں کیا بتلاؤں کوئی شرعی مسئلہ پوچھو تو میں بتلا سکتا ہوں مگر جب اُس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جا کر نماز پڑھو اور یہ عزم کرلو کہ جب تک وہ جگہ یاد نہ آئے گی برابر نماز پڑھتا رہوں گا۔ چنانچہ اُس نے دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں کہ جگہ یاد آگئی۔ اس کا راز پوچھنے پر امام صاحب نے فرمایا کہ اس کو شیطان نے پریشان کرنے کے لئے بھلا رکھا تھا اس لئے میں نے یہ تدبیر بتلائی کہ میں جانتا تھا کہ شیطان کو یہ کب گوارا ہوگا کہ یہ ساری رات نماز پڑھے اس لئے اُس نے جلدی ہی یاد دلادیا۔ مگر یہ ترکیب ہر جگہ کام نہیں دے سکتی یہ ترکیب وہاں کام دیتی ہے جہاں نسیان شیطان کے سبب ہو طبعی نہ ہو یہ امام صاحب کا کمال ادراک تھا کہ اُس شخص کی حالت سے سمجھ گئے کہ اس کو طبعی نسیان نہیں ہے بلکہ شیطانی نسیان ہے شیطان نے پریشان کر رکھا ہے اُس کا یہ علاج بتلا دیا کہ نماز پڑھتے رہو یاد آجائیگا۔ کیونکہ شیطان جب یہ دیکھے گا کہ بدون میرے یاد کرائے یہ شخص نماز سے باز آئے گا تو جلدی یاد دلادے گا۔ غرض نماز میں شیطان ایسی باتیں خوب سوجھاتا ہے۔ اسی لئے حساب بھی نماز میں خوب یاد آتا ہے جس طرح نیند بھی خوب آتی ہے ایک شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے کہ نماز میں تو نیند بہت آتی ہے اور ناچ رنگ میں نہیں آتی۔ فرمایا میاں پھولوں کی سیج پر تو نیند آیا ہی کرتی ہے۔ کانٹوں پر کیسے نیند آتی ہے۔ یہ جواب اُن بزرگ نے اپنی حالت کی موافق دیا ورنہ ہر شخص کے اعتبار سے یہ صحیح نہیں کیونکہ بعضوں کو پاخانہ میں بھی نیند آتی ہے اور باتیں بھی خوب یاد آتی ہیں۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ نیند یکسوئی میں آیا کرتی ہے نماز کی چونکہ مشق ہے اسلئے قرأت وغیرہ پر توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو سب بلا قصد ادا ہوتی رہتی ہے تو ذہن کو یکسوئی ملتی ہے اور ناچ رنگ میں ذہن کو یکسوئی نہیں ہوتی اُس طرف توجہ رکھتا ہے

جس میں قوت فکریہ کو حرکت رہتی ہے اس لئے نیند نہیں آتی (اور اگر کوئی شخص نماز بھی مشق پر نہ پڑھے بلکہ ہر ہر لفظ کو توجہ سے ادا کرے تو اُس کو نماز میں بھی حرکت فکریہ کی وجہ سے نیند نہ آئے گی ۱۲) اب اگر کوئی واعظ یہ نکتہ بیان کرنا چاہے کہ تمھاری کیسی نماز ہے کہ پاخانہ میں بھی تم کو نیند آتی ہے اور نماز میں بھی تم نے دونوں کو برابر کر دیا تو نکتہ کے طور پر بیان کر سکتا ہے مگر تحقیقاً یہ ٹھیک نہیں کیونکہ سبب اس تساوی کا امر عارض ہے یعنی قوت فکریہ کے استعمال نہ کرنے میں اشتراک۔ بہرحال ناقص عمل سے ترقی نہیں ہوتی کیونکہ اس میں مجاہدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ نفس کو مزہ آتا ہے اور مجاہدہ میں مزہ کہاں یہاں شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ مزہ تو دلیل نقصان عمل کی نہیں اور کمال عمل کے منافی نہیں۔ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی نماز میں مزہ آتا تھا چنانچہ حدیث شریف وارد ہے وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ حضور کو نماز میں کس بات سے مزہ آتا تھا آپ کو توجہ الی الحق سے مزہ آتا تھا اور تم کو توجہ الی الغیر سے مزہ آتا ہے توجہ الی الحق سے مزہ نہیں آتا۔ بلکہ اُس میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اس لئے تمھاری نماز میں وہ بات مجاہدہ سے پیدا ہو گی جو حضورؐ کو بلا مجاہدہ حاصل تھی۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا ہے اس کا سبب بھی غلبہ توجہ الی الحق تھا اس سے کہ توجہ الی الصلوۃ میں کمی ہو جاتی تھی اور تم کو سہو ہوتا ہے دنیوی امور کی طرف توجہ کر کے توجہ الی الصلوۃ میں کمی ہونے سے۔ غرض نہ ہمارا مزہ اور آپکا مزہ برابر۔ اور نہ ہمارا سہو اور آپ کا سہو برابر۔ بس آپ کے مزہ پر اپنے مزہ کو قیاس کر کے وسوسہ والی نماز کو ناقص نہ سمجھنا بڑی حماقت ہے۔ بہرحال تزکیہ میں سالکین کو دو طرح کی غلطی واقع ہوتی ہے ایک یہ کہ ترقی کو مطلوب سمجھتا ہے اور جلدی مرتب عمل کامل نہ ہونے کی وجہ سے مغموم ہو کر عمل ہی سے معطل ہو جاتا ہے۔ اور دوسری یہ کہ ترقی کو مطلوب نہیں سمجھتا۔ اس لئے عمل ناقص پر جس پر ترقی مرتب نہیں ہوتی اکتفا کرتا ہے۔ سو یہ دونوں جماعتیں غلطی پر ہیں۔ حق تعالیٰ نے پہلی جماعت کی غلطی کو قد افلح من زکٰہا میں رفع فرمایا ہے کہ تم خود تزکیہ کو مقصود سمجھو ترقی کا انتظار نہ کرو ضرور

کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور دوسری جماعت کی غلطی ایک دوسری آیت میں رفع فرما دی۔ قد افلح من تزکی اس میں فلاح کو حصول تزکی پر موقوف فرمایا ہے بتلا دیا کہ گو مامور بہ تزکیہ ہے تزکی مامور بہ نہیں مگر تزکیہ وہی مامور بہا ہے جس پر تزکی مرتب ہو جاوے۔ اور وہ ایسا تزکیہ ہے جس میں تکمیل اعمال کا اہتمام ہو اختیار اسباب تکمیل سے غفلت اور تکاسل نہ ہو۔ حاصل یہ ہوا کہ ناقص عمل کو کافی مت سمجھو۔ بلکہ تکمیل اعمال میں کوشش کرتے رہو اور اُن کو اس حد تک پہونچاؤ جس پر تزکی مرتب ہو جائے اگرچہ تزکیہ کے وقت ثمرہ تزکی پر نظر نہ کرو بلکہ نظر عمل ہی پر رکھو لیکن عمل وہی اختیار کرو جو موثر ہو حصول تزکی میں۔ پس ایک آیت میں طالب جاہل کی اصلاح ہے اور دوسری آیۃ میں قانع جاہل کی۔ طالب جاہل وہ ہے جو ثمرہ مرتب نہ ہونے سے عمل کو چھوڑ دے۔ اور قانع جاہل وہ ہے جو ناقص عمل پر قناعت کرلے۔ اب یہاں پر ایک شبہ اور وہ یہ کہ جب تزکی تدریجاً حاصل ہوتی ہے اور وہاں فلاح اُس کو ہوگی جو تزکی حاصل کر چکا ہو۔ تو ممکن ہے کوئی شخص تزکیہ میں مشغول ہو اور تدریجاً اُسے تزکی حاصل ہو رہی ہو جو درجہ کمال کو ابھی نہیں پہونچی تھی کہ یہ پہلے ہی مر گیا تو کیا اُس کو فلاح نہ ہوگی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ قد افلح من تزکی میں جو حصول تزکی پر فلاح کو موقوف کیا گیا ہے یہ اُس شخص کے لئے ہے جس کو اتنا وقت ملا تھا کہ اگر وہ برابر تزکیہ میں مشغول رہتا تو تزکی حاصل ہو جاتی۔ یہ شخص اگر اپنی سستی کی وجہ سے قبل حصول تزکی مر گیا تو ناکام مریگا۔ اور جس کو اتنا وقت ہی نہ ملا جس میں تزکی حاصل کر لیتا۔ وہ اگر قبل حصول مقصود مر جاوے تو ناکام نہیں اس کے لئے قد افلح من تزکی کہا کے موافق یہ تزکیہ ہی تزکی کے حکم میں ہے۔ مگر بشرط عدم انقطاع اسی نامرادی کو مولانا بحکم بامرادی فرماتے ہیں۔ ؎

گر مرادت را مذاق شکر است
بے مرادی نے مراد دلبر است

مولٰنا نے انا فتحنا لک فتحاً مبینا کی تفسیر بھی اسی قاعدہ سے کی ہے۔ یہ تو تمام مفسرین کی نزدیک مسلم ہے کہ اس آیت کا نزول صلح حدیبیہ کے بارہ میں ہوا ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہاں صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا گیا ہے۔ یا فتح مکہ مراد ہے بعض نے

تو یہ کہا ہے کہ فتح مبین سے فتح مکہ مراد ہے اور انا فتحنا صیغہ ماضی بمعنے مضارع ہے
یعنے انا مسنفتح لک فتحاً مبیناً مضارع کو بصورت ماضی تیقن و تحقق ظاہر کرنیکے
لئے لایا گیا۔ اور بعض نے یہ کہا کہ فتح مبین سے خود صلح حدیبیہ ہی مراد ہے اور اُس کو مجازاً
فتح مبین کہدیا گیا کیونکہ صلح حدیبیہ فتح مکہ کا سبب بنگئی تھی اور وہ حقیقت میں فتح مبین ہے
مولانا سب سے الگ یہ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ اگر فتح مکہ کا سبب بھی نہ ہوتی جب بھی
اسکو حقیقۃً فتح مبین کہا گیا ہے کیونکہ جو نا کامی بقصد کامیابی ہو وہ کامیابی ہی ہے۔ حضور
صلے اللہ علیہ وسلم کو صلح حدیبیہ سے مقصود فتح مکہ ہی تھا، حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ آپکو نیت
فتح کیوجہ سے اُسیوقت فتح مبین کا ثواب ملگیا۔ لہذا آپ آج ہی سے فاتح ہیں۔ خواہ
فتح کا وقوع ہو یا نہ ہو (سبحان اللہ یہ تفسیر سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ اس میں کسی تکلف کی حاجت
نہیں۔ نہ کلام حقیقت سے بدلتا ہے ۱۲) اسیطرح یہاں سمجھو کہ جب انسان تزکیہ بقصد تزکی کرتا
ہے اور اُس کو اتنا وقت نہیں ملا کہ تزکی حاصل ہو تو اُس کیلئے تزکیہ ہی بحکم تزکی ہے۔ غرض
مقصود عمل ہے حتی یصل خواہ وصول دنیا میں ہو یا آخرت میں اب مقولہ صوفیہ کا مطلب حل
ہو گیا کہ کامیابی کا قصد نہ کرو۔ یعنی جب عمل بقصد کامیابی ہو تو حصول کامیابی کی فکر میں نہ پڑو
تم محروم نہ رہو گے ضرور کامیاب ہو گے۔ اگر دنیا میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو آخرت میں ہو جاویگی
جیسے حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک شخص نے ننانوے خون کئے تھے پھر اُس کو توبہ کا
خیال ہوا تو ایک عالم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اتنے خون کئے ہیں۔ اب میری توبہ قبول
ہو سکتی ہے یا نہیں۔ عالم نے کہا نہیں تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی اُس کو غصہ آگیا اور اُس
عالم کو ختم کر کے پورے سو کر دئے پھر دوسرے عالم کے پاس گیا (شاید اُن کو پہلے عالم کا
قصہ معلوم ہو چکا ہو گا۔ ۱۲) اُن سے پوچھا کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں انھوں نے
کہا کہ حق تعالےٰ کی رحمت کا دروازہ ہر شخص کیلئے کھلا ہوا ہے اگر تو توبہ سچے دل سے کرے گا
تو ضرور قبول ہو گی۔ لیکن تیری توبہ کی شرط یہ ہے کہ اپنی بستی کو چھوڑ کر فلاں بستی میں جاکر سکونت
اختیار کر (کہ وہاں صلحاء رہتے ہیں صحبت نیک سے تیری کامل اصلاح ہو جائیگی ۱۲) غرض
انھوں نے ہجرت عن الوطن کو قبول توبہ کی شرط بتلایا۔ اُس شخص کے دل میں طلب

پیدا ہوگئی تھی اس لئے وطن سے بہ نیت ہجرت چلا راستہ ہی میں تھا کہ اُس کی موت آگئی اُس نے اتنا کیا کہ مرتے مرتے بھی اُس بستی کی طرف گھسٹتا رہا جہاں ہجرت کرکے جا رہا تھا چنانچہ نزع کے وقت بھی اُس نے اپنے سینہ کو اُس زمین کی طرف بڑھا دیا کہ جسقدر سعی ممکن ہے وہ تو کرلوں۔ بس یہ عمل مقبول ہوگیا چنانچہ اُس کے انتقال کیوقت ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آئے اور اُن میں باہم اختلاف واقع ہوا۔ ملائکہ رحمت کہتے تھے کہ یہ جنتی ہے کیونکہ یہ بقصد توبہ ہجرت کرکے اپنے وطن سے چل پڑا تھا اب پہونچنا نہ پہونچنا تقدیری بات ہے اس نے تو اپنی سی کوشش تکمیل توبہ میں کرلی ہے۔ ملائکہ عذاب نے کہا کہ نہیں یہ دوزخی ہے کیونکہ ساری عمر گناہوں کا مرتکب رہا ہے اور اخیر میں توبہ بھی کی ہے تو وہ بھی ناقص ہے ابھی اس کی توبہ صحیح نہیں ہوئی تکمیل توبہ کیلئے زمین صلحا میں پہونچ جانا شرط تھا اور یہ ابھی پہونچا نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی استنباط و اجتہاد کرتے ہیں، پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ ملائکہ اجتہاد نہیں کرتے بلکہ ہر امر میں اُن کے پاس نص آتی ہے جیسا کہ یفعلون ما یؤمرون سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ بھی اجتہاد کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پاس بھی بعض دفعہ نص کلیت کیساتھ آتی ہے اور جزئیات میں استنباط کرتے ہیں جسمیں بعض اوقات اختلاف کی بھی نوبت آتی ہے اگر استنباط نہ کرتے تو اُنمیں باہم اختلاف نہ ہوا کرتا۔ اب حق تعالیٰ نے اس معاملہ کا فیصلہ کرنیکے لئے ایک اور فرشتہ بھیجا اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ اسکی نعش سے دونوں طرف کی زمین کی پیمائش کرلو۔ اگر اس کا وطن نزدیک ہو تو یہ دوزخی ہے اگر جائے ہجرت نزدیک ہو تو جنتی ہے۔ چنانچہ زمین ناپی گئی۔ اور واقع میں وطن ہی کی زمین نزدیک تھی مگر حق تعالیٰ کا وطن کی زمین کو حکم ہوا کہ دور ہو جا اور ہجرت کی زمین کو حکم ہوا کہ نزدیک ہو جا۔ چنانچہ جائے ہجرت بالشت بھر نزدیک نکلی (اور یہ وہی مقدار تھی جو نزع کیوقت اُس نے کچھ حرکت کی تھی ۱۲) آخر کار وہ جنتی قرار پایا اور ملائکہ رحمت کے سپرد ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل بقصد کامیابی کیا جائے اُسمیں اگر دنیا میں ناکامی بھی رہے تو آخرت میں یہ ناکامی کامیابی ہی کی برابر شمار ہوتی ہے (قلت والیہ الاشارۃ قولہ تعالیٰ ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی

الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله ۰ وقال صلے الله
علیه وسلم نیة المؤمن ابلغ من عمله ۱۲) اسی وجہ سے صوفیہ نے کہا ہے کہ تم عمل
کامیابی کیلیے کرو اور ایسے عمل کا اہتمام کرو جو کامیابی کیطرف مفضی ہو جانیکے قابل ہو۔ مگر
عمل شروع کرکے حصول ثمرہ کی فکر میں نہ پڑو اگر پھر بھی کامیابی نہو تو تم کامیاب ہی شمار ہو گے اسیکو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

ارید وصاله و یرید هجری ۔ فاترک ما ارید لما یرید

اور فرماتے ہیں ؎

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ۔ ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

وصال و ہجر کے دو معنے ہیں ایک رضا و عدم رضا دوسرے قبض و بسط یہاں پر وصال سے
رضا اور ہجر سے عدم رضا مراد نہیں بلکہ بسط و قبض مراد ہے کیونکہ اگر رضا و عدم رضا مراد ہو تو
ارید وصاله کیساتھ یرید هجری جمع ہی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ طالب رضا کے ساتھ حق کی
طرف سے بھی رضا ہی متوجہ ہوتی ہے نہ کہ عدم رضا (کما دل علیه النصوص الواضحة
الصریحة ۱۲) اور قبض و بسط کو وصال و ہجر سے اسلئے تعبیر کرتے ہیں کہ بسط صورۃ وصال
ہے اور قبض صورۃ ہجر اور صورت اسلئے کہا کہ حقیقی وصال تو رضا ہی ہے اور اسیطرح حقیقی فراق عدم
رضا ہے مگر سلوک میں سالک کو ایک حالت ایسی پیش آتی ہے جسکو وہ وصال سمجھتا ہے اور
اس میں ظاہری آثار بھی وصال کے ہوتے ہیں مثلاً انوار و تجلیات کی کثرت دلمیں انشراح
و انبساط وغیرہ اسکو بسط کہتے ہیں اور بعضی حالت ایسی پیش آتی ہے جسکو سالک فراق و ہجر
سمجھتا ہے اور اس میں آثار بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے محبوب سے جدا ہونیکے حالات طاری ہوا کرتے
ہیں مثلاً انوار و تجلیات سے قلب کا خالی ہونا دلمیں بے چینی اور ظلمت کا محسوس ہونا وغیرہ
اسکو قبض کہتے ہیں مگر یہ حقیقت میں وصال و فراق نہیں ہے بلکہ محض ایکی صورت ہے ہو سکتا ہے
کہ ایک شخص حالت قبض میں حقیقی وصال یعنی رضا سے مشرف ہو اور ایک شخص حالت بسط میں
بعد حقیقی یعنے عدم رضا میں مبتلا ہو کیونکہ قرب صوری بعد معنوی حقیقی کیساتھ اور بعد صوری قرب
حقیقی معنوی کیساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک محبوب اپنے دشمن کو جو اس سے بھاگنا چاہتا
تھا زبردستی اپنے دربار میں پکڑ بلائے اور وہ زنجیروں میں کسا ہوا اسکے سامنے حاضر کیا جائے اس
وقت یہ شخص صورۃً قرب کیساتھ موصوف ہے کیونکہ حسین کا چہرہ اسکے سامنے ہے مگر حقیقت میں

یہ بُعد فراق سے متصف ہے کیونکہ دربار میں مجرم ہو کر آیا ہے اور ایک عاشق کو محبوب نے حکم دیا کہ ہمارے واسطے بازار سے فلاں چیز خرید لاؤ یہ اسوقت صورۃً محبوب سے دور ہے اور ظاہراً فراق و بُعد میں مبتلا ہے مگر حقیقۃً یہ اس دوری میں بھی قرب و وصال سے کامیاب ہے کیونکہ محبوب کی رضا سے مشرف ہے (اسیکو سعدی نے فرمایا ہے کہ دوران باخبر نزدیک و نزدیکان بیخبر دور ۱۲) پس سالک کو بسط سے مطمئن اور قبض سے پریشان نہ ہونا چاہئے اصل پریشانی کی چیز معاصی ہیں جو بُعد حقیقی کے اسباب ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہئے اگر اعمال درست ہوں تو پھر خواہ ہزار قبض ہو اور جو اعمال میں نقص ہے تو پھر خواہ لاکھ بسط ہو سب ناقابل اعتبار ہے۔ اب میں ایک چھوٹی سی بات بیان کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ حق تعالےٰ نے قد افلح من تزکیٰ کے بعد فرمایا ہے وذکر اسم ربہ فصلے اسمیں تزکی کو ذکر و صلوۃ پر مقدم کیا گیا ہے اس سے تصوف کا ایک مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ سلوک میں دو عمل ہوتے ہیں ایک تخلیہ ایک تحلیہ اور تحلیہ کو تجلیہ و تصفیہ بھی کہتے ہیں تخلیہ کے معنے ہیں رذائل کو زائل کرنا۔ اور تحلیہ کے معنی ہیں فضائل کو حاصل کرنا تو لفظ تزکی میں اس طرف اشارہ ہے کہ رذائل کو زائل کرو۔ اور ذکر اسم ربہ فصلی میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ فضائل کو حاصل کرو اور ہر چند کہ تحصیل فضائل بھی تزکی میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ تزکی کے معنی ترک رذائل ہیں۔ اور فضائل کا ترک بھی رذیلہ ہے تو ترک فضائل کا ترک بھی اس میں آ گیا۔ اور ترک الترک ایجاد ہے اسلئے تحصیل فضائل بھی تزکی میں داخل ہو گیا اور تحقیق اسکی یہ ہے کہ ترک کے دو درجے ہیں ایک ترک وجودی دوسرے ترک عدمی۔ ترک وجودی یہ ہے کہ کسی امر کو خواہ مامور بہ ہو یا منہی عنہ احتمال وجود کیوقت ترک کیا جائے مثلاً ایک عورت سامنے سے گذری اور اُس نے نظر کو اُسطرف سے ہٹا لیا اور بالکل نظر نہ کی تو یہاں ترک نظر ترک منہی عنہ کی مثال ہے۔ یا نماز کا وقت آیا اور اُس نے نماز ترک کر دی یہ ترک صلوۃ ترک مامور بہ کی مثال ہے اور ترک عدمی یہ ہے کہ اسباب وجود کے نہ ہوں اور کسی کام کو ترک کیا جاوے جیسے ایک وقت بہت سے افعال منہی عنہا سے آدمی بچا رہتا ہے اور احتراز کا قصد بھی نہیں ہوتا۔ پس پہلا ترک تو کبھی طاعت ہے اور کبھی معصیت اور دوسرا

ترک نہ معصیت ہے نہ
میں فرمانا دلیل ہے اُس کی طا
وجودی ہی مراد ہے۔ یعنی احتمال وجودیہ
فرد ہے پس تزکی میں تمام معاصی کا ترک داس
بھی داخل ہے تو اس طرح سے قد افلح من تزکی ہی
سب داخل ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ یہ احتمال ظاہر نہ تھا۔ اسلئے
تحصیل طاعات کو وذکر اسم ربہ فصلے میں ذکر فرمادیا پس
ہی داخل رہا اور ان دونوں کے مجموعہ کو مدار فلاح ٹھہرایا گیا ہے تو ثابت ہوا
تخلیہ و تحلیہ دونوں کے مجموعہ پر ہے اور یہی صوفیہ کا قول ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بدون ان دونوں کے سلوک کامل نہیں ہو سکتا۔ البتہ شیوخ کا اس میں اختلاف ہے کہ تخلیہ کو مقدم کیا جاوے اور تحلیہ کو موخر یا تحلیہ کو مقدم کیا جاوے اور تخلیہ کو موخر اور مفید دونوں طریق ہیں خواہ تخلیہ کو مقدم کیا جائے یا تحلیہ کو کیونکہ ان دونوں میں جانبین سے استلزام ہے۔ جیسے ایک بوتل میں پانی بھرا ہوا ور ہم پانی نکالکر اُس میں ہوا بھرنا چاہیں تو اُس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے پانی کو نکالدو، ہوا خود بخود بھر جاوے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آلہ کے ذریعہ سے پہلے ہوا بھرنا شروع کرو پانی خود ہی نکل جائے گا۔ اسی طرح فضائل کے حاصل کرنے سے رذائل خود بخود زائل جاتے ہیں۔ مثلاً کسی نے سخاوت کی صفت حاصل کرلی تو بخل جاتا رہے گا۔ اور رذائل کے زائل کرنے سے فضائل خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بخل زائل ہو گیا تو سخاوت حاصل ہو جاوے گی غرض دونوں طریق مفید ہیں مگر چشتیہ نے تحلیہ کو مقدم کیا ہے (اور یہ آیت بظاہر مؤید ہے ۱۲) اور نقشبندیہ نے تخلیہ کو مقدم کیا ہے اور آیت واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا کا ظاہر اُن کو مؤید ہے مگر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہوتی ہے کسی کے لئے تقدیم تخلیہ مفید ہے اور کسی کے لئے تقدیم تحلیہ مفید ہے اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ سب کے لئے نہ چشتیت مفید ہے نہ نقشبندیت۔ بلکہ کسی میں چشتیت کا غلبہ نافع ہے اور کسی میں نقشبندیت کا

... یا نقشبندیہ میں داخل

... چشتی ہو تو سب مریدوں کو طریق چشتیت

... پر تربیت نہ کرنا چاہئے بلکہ سب مشائخ کو لازم ہے کہ

... کے لئے مفید ہو وہ تجویز کریں بس چشتی بھی دونوں طرح ہوں

... طرح ہر ایک کے مریدوں میں کوئی چشتی ہونا چاہئے کوئی

... میں آگیا ہو گا کہ چشتی بننے کیلئے یہ ضرور نہیں کہ جب سلسلۂ چشتیہ

... چشتی ہو، اور نقشبندی بننے کیلئے بھی یہ ضرور نہیں کہ سلسلۂ نقشبندیہ

میں داخل ہو تب ہی نقشبندی ہو، بلکہ چشتیت نام ہے تخلیہ کے زیادہ اہتمام کا اور نقشبندیت نام ہے تحلیہ کے زیادہ اہتمام کا۔ پس جو تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ چشتی ہے گو کسی خاندان میں داخل ہو۔ اور جو تحلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ نقشبندی ہے گو سلسلۂ چشتی ہی میں داخل ہو۔ ایک سلسلہ میں ہو کر دوسرے سلسلہ کے طریق پر چلنا کچھ ممنوع نہیں بلکہ گر دوسرے سے مناسبت ہو تو شیخ کو ضروری ہے کہ اُسی طریق پر چلائے۔ خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہما دونوں ایک ہیں مقصود دونوں کا ایک صرف طریق تربیت میں فرق ہے جو شخص اُن کو باہم جدا سمجھے گا اور کسی ایک کی تنقیص کرے گا وہ دونوں دروازوں سے محروم رہیگا۔ ان کو دو سمجھنا ایسا ہے جیسے بھینگا آدمی ایک چیز کو دو دیکھتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

شاہ احول کرد در راہِ خدا　　آں دو دمساز خدائی را جدا

اس پر مولانا نے ایک بھینگے کی حکایت لکھی ہے کہ ایک دن اُستاد نے اُس سے کہا کہ فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہے اُسکو اُٹھا لا۔ وہ جو پہونچا تو اُسکو دو نظر آئیں۔ کہا صاحب وہاں تو دو بوتلیں ہیں کونسی لاؤں۔ اُس نے کہا ارے احمق دو نہیں ہیں ایک ہی ہے اُس نے اصرار کیا کہ واہ وہاں تو صاف دو نظر آرہی ہیں۔ اُستاد نے کہا اچھا ایک کو توڑ دے اور دوسری لے آ۔ اب جو اُس نے ایک کو توڑا تو دونوں غائب۔ اسیطرح ان دو بزرگوں میں سے جو شخص کسی ایک کی تنقیص کریگا۔ وہ دونوں سے محروم رہیگا۔ بعض لوگ انکو

یہ مرض ہوتا ہے کہ ابتد
دوسری خاندان کے طریق کا
حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس
طرح بسط نہیں ہوتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ د
میں تو نقشبندی ہوں جہر کیسے کروں آپ نے فرمایا
ذکر بالجہر شروع کیا بس جہر کرتے ہی بسط ہو گیا۔ اب بتلایئے
جہر سے مناسبت تھی مگر اُس کے شیخ نے ذکر خفی ہی تجویز کیا جس
صاحب نے پہچان لیا کہ اسکو جہر سے مناسبت ہے وہی تجویز فرمایا
نقشبندی ہونے کا عذر کرنے لگے یہ نہایت واہیات ہے شیخ کامل جو کچھ تجویز کرے
طالب کو اُس پر بلا تردد و شک عمل کرنا چاہئے کیونکہ وہ صاحب بصیرت ہوتا ہی طالب
کی استعداد کو پہچانتا ہے اور پہچان کر نسخہ تجویز کرتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ ذکر جہر نقشبندیت
کے منافی نہیں اور نہ ذکر خفی چشتیت کے منافی ہے مقصود دونوں کا ایک ہے اور دونوں کو
طالب کی استعداد کے موافق جو طریقہ مفید معلوم ہو وہی بتلانا چاہئے۔ دونوں میں صرف
اتنا فرق ہے کہ چشتیہ کے مذاق پر تخلیہ کا اہتمام غالب ہے اور نقشبندیہ کے مذاق پر تحلیہ
کا اہتمام غالب ہے۔ چنانچہ ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحب سی مشورہ لیا کہ میں
سلسلۂ چشتیہ میں مرید ہوں یا نقشبندیہ میں حضرت نے فرمایا کہ اگر ایک جنگل
ہو جسمیں جھاڑیاں اور خاردار درخت کھڑے ہوں ایک شخص اُسمیں زراعت کرنا چاہتا ہی
تو وہ کیا کرے آیا پہلے جنگل کو جھاڑ وغیرہ سے صاف پاک کرے پھر تخم پاشی کرے یا پہلے
تخم پاشی کردے اور بعد کو صاف کرتا رہے اُن صاحب نے کہا کہ پہلے تخم پاشی کرنا چاہئے
کیونکہ پہلے صفائی میں لگا تو ممکن ہے اسی میں موت آجائے اور تخم پاشی کی نوبت بھی نہ
آئے، اور پہلے بیج ڈالکر صفائی میں لگے گا تو کچھ تو غلہ پیدا ہو ہی جائے گا حضرت نے فرمایا کہ
تم نقشبندیہ کے یہاں جاکر مرید ہو جاؤ تمہاری طبیعت کو اُن کے مذاق سے زیادہ مناسبت
ہے، دیکھئے حضرت نے دونوں طریقوں کی حقیقت بتلادی کہ مقصود دونوں کا ایک ہی صرف

طالب کو نقشبندیہ کے

...ی سلسلہ میں بیعت ہوجاؤ اس

...کافی ہے سمجھتے تھے (اور اگر یہ صاحب حضرت

...ت کرتے اور حضرت بیعت بھی کر لیتے تب بھی

...ے کرتے پس مشائخ کو یہی طرز اختیار کرنا چاہئے اور

...رے گا۔۱۲) بحمد اللہ اس وقت تزکیہ کے متعلق کافی مضمون

...یں جو غلطیاں واقع ہوتی ہیں اُنکا ازالہ بھی ہوگیا اور شکوک

شبہات بھی رفع ہوگئے۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالے ہماری اصلاح فرمائے اور فہم سلیم

و عمل مستقیم عطا فرمائے آمین (وصلی اللہ تعالی علے سید نا و مو لنا محمد

وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔ تم بحمد اللہ الذی بعزتہ وجلالہ

تتم الصالحات ۱۲

مکمل ومدلل بہشتی زیور

جو کہ تعلیم نسواں کیلئے ایک کافی نصاب ہے جسمیں الف یا تا سے لیکر تمام ضروری مسائل مخصوص بہ نساء وضو نماز روزہ حج زکوۃ خرید و فروخت وغیرہ اور تربیت اخلاق وسلوک وطب ضروری وسلیقہ خانہ داری کے متعلق تمام ضروری امور کو نہایت سہل عبارت میں حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولنا محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم العالی نے عرصہ قریب پچیس سال کے ہوا تالیف فرمایا تھا اور اُسکے تتمہ مسمی بہ بہشتی گوہر میں کمسائل مخصوص بہ رجال کو جمع فرمایا تھا۔ اسمرتبہ نہایت آب وتاب سے بعد نظر ثانی وحوالجات کتب فقہیہ احقر نے طبع کرایا ہے اب علاوہ عوام کے علماء وطلبہ کے لئے بھی نہایت مفید کتاب ہوگئی ہے قیمت علاوہ محصولڈاک چھ روپیہ ہے محصولڈاک ۱۲؍ شائقین جلد طلب فرماویں۔ والسلام

المشتہر

احقر محمد شبیر علی مدیر رسالہ النور تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

نوٹ۔ زیادہ جلدیں منگانیوالے حضرات ریلوے کا پتہ ضرور لکھدیں۔